ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی

# مسلم معاشرے میں سائنس کا زوال

زیرِ نظر مقالہ جناب ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی نے مسلم ایسوسی ایشن فار دی ایڈوانسمنٹ آف سائنس (MAAS) کی سلور جوبلی پروگرام منعقدہ ۲۔ مارچ، ۲۰۰۷ء (لکھنؤ) میں پڑھا تھا۔ اجلاس کی صدارت جناب ڈاکٹر نتیانند، سابق ڈائریکٹر CDRI لکھنؤ نے کی۔ ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی، سنٹر برائے تحقیقاتِ سائنس (Center for Studies on Science, Aligarh) کے ڈائریکٹر ہیں۔ وہ سیکرٹری و ایڈیٹر 'آیات' بھی ہیں۔ یہ خطبہ مسلم معاشرے میں جمود کو توڑنے اور سائنس کے میدان میں آگے بڑھنے کے لیے ایک مہمیز کا کام دیتا ہے۔ ہم اس خطبہ کی اشاعت کے لیے 'آیات' کے شکرگزار ہیں۔ [ایڈیٹر]

آج کی اس تقریبِ سعید کے مہمانِ خصوصی اور صدرِ مجلس بزرگ سائنس دان جناب ڈاکٹر نتیانند صاحب، ماس کے کل ہند صدر پروفیسر سیّد عقیل احمد صاحب، فورم فار پیس اینڈ یونٹی کے صدر مولانا ظہیر احمد صدیقی صاحب اور مولانا آزاد میموریل اکیڈمی کے صدر جناب ایس ایم نسیم صاحب، آرگنائزنگ کمیٹی کے اراکین!

لکھنؤ کے اہلِ فکر و دانش معزز خواتین و حضرات!

آپ سب کی خدمت میں ایک محبت آمیز، پرجوش اور پُرخلوص اسلام علیکم!

محترم ڈاکٹر نتیانند ہمارے ان بزرگوں میں سے ہیں جن کے فیض کا سلسلہ طویل

ہے۔ اپنی ریسرچ کے ابتدائی ایام میں آپ کے کام کو دیکھ کر جانے کتنوں نے اپنی راہیں متعین کیں اور نہ جانے کتنے آپ کے تعاون سے مستفید ہوئے۔ آج کی تقریب میں آپ کی شراکت اس کی گواہ ہے کہ فیض کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہم اس فیض کی درازی کے لیے دُعا گو ہیں۔

خواتین وحضرات!... لکھنؤ نہ صرف ہماری تہذیبی وثقافتی روایتوں کا امین ہے بلکہ بہت سی علمی سائنسی اور فنی سربلندیوں کا پاسبان بھی ہے۔ اس شہر میں آج بھی موجود فنِ تعمیر کے اعلیٰ نمونے جن کے رازوں کی تفہیم میں استعماری ذہن کو سالہا سال لگے تھے۔ اس بات کا ثبوت ہیں کہ اُس دور میں Civil Engineering کے علم کی روایت بڑی مضبوط تھی۔ بہت کم کو یہ معلوم ہے کہ شاہانِ اودھ جدید علوم وفنون کی راہوں کو انگریزی تسلط سے پہلے ہی آباد کر چکے تھے بلکہ ہندوستان میں انہیں مرکزیت حاصل تھی۔ انفرادی و اجتماعی سطح پر Math, Chemistry, Physics, Biology, Medicine, Astronomy & Cosmology کی کتابیں اور مسودات لکھے جانے لگے تھے۔ یہاں تک کہ اس زمانے کے بہت سے قلمی مسودات ان تحائف میں شامل تھے جو انگریز یہاں سے لیتے اور انگلستان بھجواتے تھے۔

معزز سامعین! کسی کو اگر دیانت دار مؤرخ مل جائے تو اوجِ ثریا ورنہ تحت الثریٰ۔ لکھنؤ کے ساتھ یہی ہوا ہے۔ نواب واجد علی شاہ کے بارے میں یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ اُن کے خاندان کی سائنسی خدمات اٹھارویں صدی سے شروع ہو کر انیسویں صدی کے نصف تک پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ خود سو کتابوں کے مصنّف تھے اور اُنھوں نے جدید سائنس کی درجنوں کتابوں کا اُردو زبان میں ترجمہ کرایا تھا۔ افسوس کہ ان کی مفروضہ داستانِ تعیّش سے بچہ بچہ واقف ہے لیکن ان کی علمی خدمات سے لوگ واقف نہیں۔ ہم نے اس حقیقت پر غور ہی نہیں کیا کہ ۱۰۰ سے زائد علمی کتابوں کے مصنف کی شخصیت اتنی عیش پرستی کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی۔[۱]

البتہ اہم ترین بات یہ ہے کہ سائنسی وفنّی کتابوں کے ترجمہ کا مطلب یہ ہے کہ اس

زمانہ میں نہ صرف ان علوم کو جاننے والے افراد یہاں موجود تھے بلکہ ان علوم کی روایت کو لے کر آگے بڑھنے، ان میں دلچسپی لینے والی نسلیں اور ایسے تعلیمی ادارے بھی پائے جاتے تھے جہاں ان کی تربیت ہوسکتی تھی۔ مَیں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر استعمار کا غلبہ اتنا مکمل نہ ہوتا تو جدید سائنس کا ہندوستان میں آغاز شاید لکھنؤ ہی سے ہوا ہوتا۔ MAAS کی ۲۵ سالہ تقریبات کا آغاز شہر لکھنؤ سے ہو۔ یہ بڑا معنی خیز اتفاق ہے۔ لیکن یہ اتفاق اتفاقاً نہیں ہوا۔

یہ موضوع جہاں دلچسپ ہے وہیں انتہائی دلخراش بھی ہے۔ لیکن بہر حال آج ہم اس سے گریز کریں گے۔

مسلم معاشرہ میں سائنس کا ارتقا کیوں رُک گیا؟ یہ بیسویں صدی کا اہم ترین سوال تھا اور آج بھی ذہنوں کو مشکل میں ڈالے ہوئے ہے، آیئے اس پر غور کرتے ہیں۔

معروف مفکّر جناب ضیاء الدین سردار تاریخ کے ایک واقعہ کا حوالہ دیتے ہیں۔[۲] دسویں صدی کا آخر، عراق کے شہر بصرہ کے ایک انتہائی ذہین سائنسدان نے جب یہ دیکھا کہ دریائے نیل کا پانی طغیانی کے زمانہ میں بڑے نقصان کا باعث ہوتا ہے تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ اس پانی کو سردی کے زمانہ کے لیے محفوظ کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ جب پانی کی قلت نقصان کا باعث بنے تو اس ذخیرہ سے فائدہ اُٹھایا جا سکے یعنی دریائے نیل پر بند باندھنے کا منصوبہ اس کے سامنے تھا۔ چنانچہ نوجوان سائنس دان نے قاہرہ میں فاطمی خلیفہ کے سامنے یہ منصوبہ پیش کیا۔ خلیفہ نے برضا و رغبت سائنسداں کو مالی اور دیگر ضروریات مہیا کرا دیں۔ لیکن نوجوان اور پُرعزم سائنسدان خاصے غور و خوض اور اچھی خاصی دولت اس منصوبہ پر خرچ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر نیل کے پانی کو جمع کرنا ممکن ہوتا تو پہلے ہی لوگ اس کام کو کر چکے ہوتے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت Aswan Dam کو بنانے کے لیے ضروری ٹیکنالوجی مہیا نہ تھی۔ یہ سائنس دان الہیثم تھا۔ جس نے ناکامی کے نتیجہ میں خلیفہ کے خوف کی بنا پر یہ مشہور کرا دیا کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔ چنانچہ الہیثم کے مستقل قیام کے لیے ایک وسیع مکان مہیا کر دیا گیا۔ جہاں اس نے ایک طویل عرصہ گزارا اور اس دوران اس نے وہ مشہور کتاب لکھی

جس کا نام ''کتاب المناظر'' ہے جس کے بارے میں سائنس کے مشہور مورخ Sabra کا کہنا ہے کہ Newton کتاب المناظر کے بغیر اپنی Optika مکمل نہ کر سکتا تھا۔

اس واقعہ کے تقریباً ایک ہزار سال بعد جبکہ Aswan Dam بن چکا۔ ملّتِ اسلامیہ کے ایک شہر لاہور کی پنجاب یونیورسٹی میں ایک نوجوان سائنسدان عبدالسلام کا تقرر فزکس ڈیپارٹمنٹ میں ہوا۔ بلند عزائم سے سرفراز عبدالسلام کو اس یونیورسٹی میں بڑی کلاسوں کو پڑھانے کے مواقع بھی نہ تھے نہ اچھی Lab تھی اور نہ ہی ایسے رفقاء جن سے اہم موضوعات پر وہ گفتگو کر سکتا۔ تحقیق کے منصوبوں پر غور کرنے کے لیے ذمہ داروں کو نہ تو فرصت تھی نہ سہولیات اور نہ ہی وسائل۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ فزکس کو بھول جائے اور یا تو طلباء کے ہاسٹلوں کی ذمہ داری سنبھال لے یا فٹبال کلب کی ذمہ داری قبول کرے۔

عبدالسلام نے کلب کی ذمہ داری قبول کرنا بہتر جانا۔ لیکن بہت جلد اس نے محسوس کیا فزکس یا پاکستان میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا ہوگا۔ چنانچہ آخر کار عبدالسلام نے پاکستان کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا اور Cambridge میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

خواتین وحضرات! اس ایک ہزار سال کی درمیانی مدت میں یہ انقلابی تبدیلی کیونکر ہوئی۔ ہزار سال قبل معاشرہ اور حکومتِ وقت سائنس اور تحقیقی کام کے لیے ہمہ وقت تیار تھے۔ وسائل بھی مہیا تھے اور ایک جگہ سے دور دراز کا سفر کر کے محض تحقیق وجستجو کی خاطر سائنسدانوں کو بلایا جا سکتا تھا۔ لیکن ہزار سال بعد جبکہ دُنیا بہت تیزی سے سائنس کے میدان میں آگے بڑھ رہی تھی۔ اسلامی دُنیا میں اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

یہ تبدیلی کیونکر ہوئی، اس پر مختلف لوگوں نے مختلف انداز سے سوچا ہے۔

## اسلام: ایک وجہ

کچھ لوگوں نے اسے مذہبِ اسلام کا شاخسانہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اسلام کے ہوتے سائنس کا ارتقاء ممکن نہ تھا اور یہ بہت بڑے بڑے سائنس دان جو اس زمانہ میں پیدا

ہوئے وہ دراصل سیکولر لوگ تھے۔ ہمارے خیال میں یہ رائے علمی وقعت نہیں رکھتی۔ کیونکہ وہ زمانہ سیکولرزم کا نہیں تھا، یہ وہ دور ہے جہاں ہر معاشرہ پر مذہب کی پکڑ زبردست تھی اور ہر کام مذہب کے حوالہ سے ہی ہوتا تھا۔ سیکولرزم کا تصور تو محض چند سو سال پرانا ہے۔ دوسرے یہ کہ دونوں سائنسدان جنکا حوالہ دیا گیا ہے وہ سیکولر لوگ نہ تھے۔ خود ان کے بقول ان کی سائنسی تحقیق دراصل قرآن سے inspired تھی۔ الہیثم نے قرآن کی اس آیت: ''حق کے دعوے کی جانچ ہوگی۔'' (۳۳:۸، الاحزاب) کو اپنی سائنسی تجسس کی بنیاد بنایا تھا۔ اسی طرح سیکولرزم کے زمانے میں پروفیسر عبدالسلام نے نوبل انعام وصول کرتے ہوئے جو تقریر کی تھی اس میں قرآن کریم کی یہ آیت اپنے inspiration کے طور پر پیش کی:

''جس نے تہ برتہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ۔ تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔'' (سورہ الملک، آیت: ۳-۴)

حضرات اسلام آج بھی وہی ہے جو ہزار سال قبل تھا۔ اسلامی تعلیمات اس وقت بھی وہی تھیں جب سائنس مسلم معاشرہ میں ترقی کر رہی تھی اور اس وقت بھی اس کی تعلیمات وہی تھیں جب سائنس زوال پذیر ہوئی۔

## تاریخِ زوال کا تعیّن: دوسری وجہ

بعض مورخوں نے زوال کی تاریخ کو متعیّن کر کے اس سوال کا جواب معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ J.D. Barnal نے کہا کہ اسلامی سائنس کا بہترین دور گیارہویں صدی کے بعد ختم ہوگیا۔ دوسرے مورخ Colin Ronan نے بارہویں صدی کے ابتدائی زمانہ تک اس عرصہ کو وسیع کیا، جبکہ George Sarton نے اس عرصہ کو مزید بڑھا کر چودھویں صدی کے نصف آخر تک دراز کیا۔

Sarton کی تاریخِ سائنس یوں اہم ہے کہ اس نے پہلی بار مسلم سائنسداں کے

کاموں پر تحقیق کی اور کہا کہ آٹھویں صدی میں جابر بن حیان سے آغاز ہو کر بعد کی چار صدیوں تک مسلمان سائنس داں عالمی سائنس پر چھائے رہے اور تیرہویں و چودھویں صدی میں مسلمان سائنسدانوں کے ساتھ ساتھ مغربی سائنسدانوں کے نام بھی آنے لگے۔ لیکن Sarton کے نزدیک چودھویں صدی کے بعد اسلامی سائنس کا دور ختم ہو گیا۔

George Saliba سارٹن کے اس نظریہ سے شدید اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں چودھویں صدی Islamic Astronomy کے زوال کا نہیں بلکہ سنہرا دور ہے۔ جہاں طوسی اور ابنِ الشاطر جیسے باکمال سائنسداں موجود ہیں۔ George Saliba کہتے ہیں کہ Copernicus کا تیار کیا ہوا ماڈل نہ صرف یہ کہ طوسی اور ابنِ شاطر کے ماڈل جیسا ہے بلکہ اسمیں وہی notational mistake جوں کی توں قائم رکھی ہیں جو ابنِ شاطر کے یہاں پائی جاتی تھیں۔

John Hogendijk اور Sabra جیسے آج کے معروف مورخوں کے مطابق مسلم معاشرہ بھی سائنسی سرگرمیاں اعلیٰ معیار پر سترہویں صدی تک جاری رہی بلکہ بعد کا ترکوں کا دور بھی اس سے خالی نہ تھا۔

سامعین زوال کی تاریخ کے تعین سے مغربی مورخین کے پیشِ نظر دو فائدے تھے۔

۱۔ جدید سائنس کے آغاز یعنی ۱۵ ویں صدی سے جتنا قبل اسلامی سائنس کے دور کا خاتمہ ہوگا اتنا ہی وثوق سے یہ کہا جا سکے گا کہ جدید سائنس کے ارتقاء میں اسلامی سائنس کا کوئی رول نہیں ہے۔

۲۔ جتنا یہ فاصلہ زیادہ ہوگا اتنا ہی استعماری طاقتوں کی ان ظالمانہ پالیسیوں پر پردہ پڑا رہے گا۔ جو انہوں نے مسلمانوں کی سائنسی اور علمی روایت کو ختم کرنے کے لیے وضع کی تھیں۔ آپ اہلِ علم کو یہ بات معلوم ہوگی کہ ہندوستان کے علاوہ الجزائر، ٹیونیشیا اور مراکش جہاں فرانسیسی، استعمار کا غلبہ رہا۔ Islamic Medicine کی Practice کرنے والے حکماء اور طبیبوں کو جسمانی سزا دی جاتی تھی۔ Indonesia میں قائم مسلم ادارے بند کر دیئے گئے

تھے اور ۱۹۵۲ء تک مسلمانوں کو اعلیٰ تعلیم کی اجازت نہ تھی۔

یہ دونوں فائدے خاصی حد تک حاصل ہوئے۔ مغربی عوام اور خواص بلکہ تیسری دُنیا کے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ مغربی سائنس کی جڑیں صرف مغرب یا زیادہ سے زیادہ یونانی تہذیب میں پیوست ہیں اور باقی جو کچھ ہے وہ Dark Ages ہیں۔ اور Colonial دَور میں مقامی سائنس کے خلاف ظالمانہ روّیہ سے کوئی بھی واقف نہیں۔

Barnal نے کہا کہ مسلمانوں میں سائنس کا ارتقاء رکنے کی بڑی وجہ اس وقت کا سیاسی اور معاشی زوال تھا جس نے سائنس کے ارتقاء کو بھی متاثر کیا اور کیونکہ اس کے ساتھ منگولوں کا حملہ بھی حملہ۔ یہ ترقی بالکل رُک گئی۔ لیکن یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ غلامی کے دور میں جو کچھ ہوا منگولوں کے ذریعہ تباہی سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ Colonial دور میں دراصل پہلے سے جاری پورے System کو توڑ کر ایک نیا System جاری کیا گیا، اور ایسی تعلیم کو فروغ دیا گیا جو نظام کو چلانے کے لیے کارندے فراہم کرتی رہے۔ ظاہر ہے کہ اس ماحول میں مقامی فکری اور علمی روایت باقی نہیں رہ سکتی تھی۔

## سائنسی ترقی ایک سیکولر عمل تھا جو مذہبی معاشرہ میں فٹ نہیں ہوتا:

### تیسری وجہ

یہ بیان کی گئی کہ یہ اسلامی سائنس مذہب سے غیر متعلق تھی۔ یعنی بنیادی طور پر یہ ایک Secular کام تھا اور اس معاشرہ کے Islamic Concern سے کوئی تعلق نہ ہونے کی بنا پر اسے دوام حاصل نہ ہو سکا۔ یہ بنیادی طور پر ایک غلط نقطۂ نظر ہے۔ Astronomy کے ارتقاء، میں اصلاً محرک قبلہ کا رُخ اور وقت کا تعین تھا۔ تقریباً ہر سائنسداں کا گہرا تعلق اسلام سے تھا۔ جن لوگوں نے بڑے بڑے سائنسدانوں کو پڑھا ہے وہ جانتے ہیں تحقیق کے بعد واللہ اعلم (تنہا اللہ کی ذات کو صحیح کا علم ہے) لکھا ہوتا تھا۔ الہیثم کے متعلق عرض کر چکا ہوں کہ کس طرح ان کی تحقیق قرآن سے متاثر تھی۔

## مسلکی اختلاف: چوتھی وجہ

زوال کے سلسلہ میں اس مسلکی اور فکری اختلاف کو قرار دیا گیا ہے۔ جو معتزلہ یعنی rationalists اور اشاعرہ یعنی conservatives کے درمیان پایا جاتا تھا۔ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ conservatives یعنی اشاعرہ کا فکر ہی زوال کا ذمہ دار تھا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ امام غزالی کی تھافة الفلاسفه تنہا اس کی ذمہ دار ہے۔

اس نقطۂ نظر کو تسلیم کر لینے میں بڑی دشواریاں ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر معتزلہ اور اشاعرہ میں اختلاف اتنا واضح ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا کہ الہیثم، البیرونی اور فخر الدین رازی جیسے سائنس داں اشاعرہ ہوتے، ان کو تو معتزلہ ہونا چاہیے تھا۔ حقیقت ہے کہ اشاعرہ بھی اتنے ہی rationalist تھے جتنا معتزلہ تھے اور اسی طرح معتزلہ بھی اتنے ہی دین دار تھے جیسا کہ اشاعرہ تھے اور دونوں طبقۂ فکر اپنے نقطۂ نظر کی صداقت کے ثبوت میں، فلسفہ، عقل اور منطق ایک ہی طرح استعمال کرتے تھے۔

سائنس کے نقطۂ نظر سے یہ بات بڑی اہم ہے کہ مشہور اشعری مفکّر علامہ باقلانی (۱۰۸۰) سائنس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں "Knowledge of the object as it really is" اشاعرہ کا نقطۂ نظر بالکل معتزلہ کی طرح یہی تھا کہ Nature کا Obejctive اور Systematic مطالعہ ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ نقطۂ نظر نہ ہوتو البیرونی اور الہیثم جیسے سائنسداں اشاعرہ نہیں ہو سکتے تھے۔

چنانچہ امام غزالی نے کہا کہ اگر سائنس:

ایسا مواد فراہم کرے جس سے بچپن سے قائم عقائد اور رسومات پر شبہہ پیدا ہو اور ذہن یہ سوچنے لگے کہ مزید سمجھنے، غور کرنے اور تحقیق کرنے کی ضرورت ہے تو یہ نتیجہ بڑا ہی مستحسن ہے۔ اس لیے کہ جو کوئی بھی شک کے مرحلے سے نہیں گزرا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے سوچا ہی نہیں اور جس نے سوچا نہیں وہ صحیح اور شفاف طریقہ سے چیزوں کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔

اور جو صاف طور پر دیکھ نہ پائے اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نابینا ہے اور غلطی پر ہے۔[۳]

فکرِ اسلامی کی تاریخ کے ان دونوں عظیم اسکولوں میں دو مسائل میں اختلاف تھا۔

۱۔ حقیقت تک پہنچنے کے لیے سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟

معتزلہ کے نزدیک عمومی اور Universal سوالوں کو اوّلیت حاصل ہے اور انہیں سے تجربہ کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ چنانچہ ابنِ سینا اپنی القانون (Canon) میں پہلے ادویہ کا نظریہ (Theory of Drugs) پر گفتگو کرتے ہیں۔ جبکہ البیرونی، اپنی کتاب Determination of the Coordinates of the City میں پہلے تجربہ بیاں کرتے اور پھر عمومی نظری نتائج اخذ کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرا اختلاف دونوں Schools میں اس سوال سے متعلق ہے کہ تحقیق و جستجو کی حد یعنی Limits of Enquiry کیا ہے۔ معتزلہ کے نزدیک کوئی Limit نہیں جبکہ اشاعرہ اس علم کی ترقی کے خواہاں تھے جو سود مند ہو۔ امام غزالی کا دیا ہوا Blame Worthy اور Priase Worthy Knowledge کا تصور اسی نقطۂ نظر کا غماز ہے۔

اشاعرہ ہوں یا معتزلہ دونوں کے نزدیک Scientific Method علمی معلومات حاصل کرنے کا واحد معتبر ذریعہ ہے۔ لیکن Problem کی Nature میں تبدیلی سے طریقہ کار میں بھی تبدیلی ہوتی تھی۔ جیسا کہ البیرونی نے واضح طور اس طرف اشارہ کیا ہے۔ مسلمانوں میں سائنس کے زوال کا ذمہ دار فکرِ اسلامی کے ان دو گروہوں کو ٹھہرانا۔ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

## اجتہاد کا نہ ہونا: پانچویں وجہ

یہ بیان کی گئی ہے کہ جب سے اسلام میں اجتہاد کے دروازے بند ہوئے زوال شروع ہو گیا اور سائنس کا ارتقاء رُک گیا۔ اجتہاد کے دروازے بند ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اسلام بنیادی طور پر پوری زندگی کو محیط ایک مذہب ہے۔ اسے ہم نظامِ حیات یعنی System

of Life کی حیثیت سے سمجھتے ہیں۔ جب یہ سمجھا جانے لگے کہ اسلام ہماری زندگی کے محض روحانی اور بعض سماجی اور عائلی مسائل اور کچھ رسومات تک محدود ہے تو گویا اس مذہب کو reduced کر دیا۔ اس reduction کے نتیجہ میں بعض بنیادی conceptual value کے معنی بدل گئے۔ جیسے علم، اجماع، استصلاح، جہاد، اجتہاد۔

علم کے جب معنی بدلے تو یہ محض علمِ دین تک محدود ہو گیا۔ عالم محض عالمِ دین ہی کو مانا گیا، اجماع جو عوام وخواص کی رائے سے مل کر ہوتا تھا۔ اب محض چند خواص کی آرا کا مظہر ہو گیا۔ جہاد جو ہر قسم کی struggle کے لیے استعمال ہوتا تھا اب محض قتال کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اس طرح استصلاح جس میں عوام کی خدمت اور اُن کے فائدے کا تصور پنہاں تھا وہ بہت محدود ہو گیا۔ اسی طرح اجتہاد جس کے معنی مسلسل reasoning اور نت نئے مسائل کا حل تلاشتے رہنا تھا، محض ایک خواہش بن کر رہ گیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ conceptual values جو مسلم معاشرہ کو intellectual & practical dynamism فراہم کرتی اور متحرک رکھتی تھیں اپنی قوت سے محروم ہو گئیں اور ایک Holistic religion محض ایک یک طرفہ مذہب بن کر رہ گیا۔ جس کے نتیجہ میں انسانوں کی قوتِ تخلیق (Creativity) بڑی شدت سے متاثر ہوئی۔

## سائنس، معیشت اور ترقی کا تعلق

دوستو ایک بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلم معاشرہ میں سائنس کا محض ایک مذہبی رُخ نہ تھا بلکہ اس کا ایک معاشرتی رُخ بھی تھا۔ اس کا ارتقا ایک معاشرتی، سیاسی، معاشی اور ایک اداراتی ڈھانچوں کے درمیان ہوا تھا۔ سائنس کے ساتھ ٹیکنالوجی کا ارتقا بھی ہوا تھا اور اس ٹیکنالوجی نے ایک مضبوط اور توانا معیشت کو بھی جنم دیا تھا۔ دولت کی پیدائش کے نتیجہ میں وسائل یعنی resources کی بہتات ہوئی اور اس کے نتیجے میں infrastructure برائے تعلیم، تحقیق، یونیورسٹیوں کا قیام، لائبریریاں، ہسپتال، observatories بنیں اور اس

طرح سائنسدانوں کا ایک کھیپ تیار ہوئی۔ (ہم سب جانتے ہیں کہ جب معیشت متاثر ہوتی ہے تو سب سے پہلے ریسرچ اور ڈویلپمنٹ متاثر ہوتا ہے، grants کم ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقات تو پورے ڈپارٹمنٹ بند کر دیئے جاتے ہیں، معیار بھی متاثر ہوتا ہے اور brain brain ہونے لگتا ہے۔ جب پورا معاشی ڈھانچہ کمزور ہوا تو سب سے پہلے تحقیق و ترقی (R & D) کا کمزور ہونا فطری تھا)۔

سائنس کے ارتقاء کے ساتھ ٹیکنالوجی کے ارتقاء کی تاریخ بھی اب مرتب ہوگئی ہے۔ چنانچہ UNESCO نے History of Islamic Technology پر ایک کتاب تیار کرائی ہے۔[۴] معلوم ہوتا ہے کہ صنعت و حرفت Minerology کا علم Botany, Chemistry اور Hyrdraulies میں ارتقاء یہ سب معاشرہ کے استحکام اور شرح نمو میں اضافہ کا باعث تھے۔ زراعت کی ترقی آبپاشی کے وسائل میں ترقی hydrology, agronomy اور geology میں ترقی نے لوگوں کا معیارِ زندگی بہت بلند کر دیا تھا۔ ان ترقیوں کا مظہر آج بھی اسپین میں دیکھنے کو مل جائے گا۔ جس سے وہاں کے لوگ آج بھی مستفید ہو رہے ہیں۔

Sewage Disposal, Clean water, land management, city planning, Architechture، یہ سب کے سب اس زمانہ کی سائنس کی ترقی کی بدولت ہی وہاں کے عوام کو نصیب تھے۔

ترقی اور ارتقاء کا یہ پورا سلسلہ جس کے اصل ذمہ دار تو سائنسداں تھے لیکن یہ تھا دو مستقل اداروں پر قائم، ایک ادارہ زکوٰۃ اور دوسرا وقف، زکوٰۃ یعنی Charity خالص مذہبی حکم ہے اور اسلام کے بنیادی ستونوں میں سے ہے۔ اس نے وقف کے ایک عظیم ادارہ کو جنم دیا اور مسلمان جہاں جہاں رہے، اُنہوں نے اوقاف قائم کیے۔ اوقاف سے مسلسل ہونے والی آمدنی نے تعلیم، صحت اور غربت و افلاس اور متعلقہ مسائل کو حل کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ ان دونوں اداروں کے قیام، اُن کی ترقی اور اُن کی آمدنی نے معاشرتی و علمی ارتقاء کے عمل میں جو رول ادا

کیا وہ خالص عوام کا ہے۔ ورنہ حکومت کا تعاون بالکل الگ سے تھا۔ سائنس کے ارتقا میں بھی ان سب کا رول ہے۔ شہروں کی تعمیر سے لے کر ہتھیاروں کے بنانے تک علوم کی ترقی میں زکوٰۃ، وقف اور حکومت وقت سب نے مل جل کر کام کیا تھا۔

## نوآبادیات (Colonization)

سائنس معیشت (Economy) اور تحقیق اور ترقی (R & D) کے اعتبار سے مسلم دُنیا ایک اعلیٰ مقام پر فائز نہ ہوتی تو پندرہویں صدی میں مغربی طاقتوں کی نظریں اِدھر نہ اُٹھتیں۔ جس زمانہ کو Age of Exploration کہا جاتا ہے، وہ بنیادی طور پر مسلم معیشت تک پہنچنے اور اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔

نوآبادیات Colonization جس طرح بڑھتا گیا، دو کام ساتھ ساتھ ہوتے گئے colonization جہاں کہیں بھی ہوا مقامی Scientific Culture کی جگہ دوسرا کلچر لایا گیا۔ ہمارے ملک میں بھی ایسا ہی ہوا۔ یہاں جس Community کا سائنسی اور تکنیکی کلچر پھل پھول رہا تھا، اسے ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی، اسے ایک مفکر[۵] S.N. Natrajan نے بڑے خوبصورت انداز سے بیان کیا ہے۔

1. Your crafts are useless.
2. Your crops and plants are useless.
3. Your food is useless.
4. Your houses are useless.
5. Your cropping patterns and agricultural patterns are useless.
6. Your education is useless.
7. Your knowledge is useless.
8. Your religion and ethics are absolutely useless.

9. Your culture is useless.
10. Your medical system is useless.
11. Your forests are useless.
12. Your irrigation system is useless.
13. Your administration is useless.
14. You are finally a useless fellow.

ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ مسلمانوں کا نظام تعلیم marginalization کا ایک ذریعہ بن گیا۔ اس نظام سے وابستہ لوگ irrelevent ہوتے چلے گئے۔

۲۔ دوسرا اثر یہ پڑا کہ مسلم تہذیب کا Conceptual Reduction ہوتا گیا۔ علمِ صرف علمِ دین اور عالمِ صرف عالمِ دین، اجماع محض چند لوگوں کا اجماع قرار پایا، Istislah کا تصور ختم ہوگیا اور اجتہاد محض ایک خوبصورت خواہش بن کر رہ گئی۔

چنانچہ سائنس کے زوال میں معیشت (Economy) کی تباہی، سیاسی نظام (Political Structure) کی بربادی، صنعت کی تباہی، نظامِ تعلیم کا irrelevent (بے معنی) ہو جانا، اور ان بلند قدروں کی شکست و ریخت جو زندگی کو جلا بخشتی اور تخلیقی عمل کی آبیاری کرتی ہیں۔

جس طرح ہم محض Funds فراہم کرکے اور یونیورسٹیوں کی عمارتیں قائم کرکے ہم سائنس کے زوال کو ختم نہیں کر سکتے، اس طرح تخلیقی عمل اور اقدار کو قائم کیے بغیر علم و سائنس کی دُنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔

دراصل ایک مکمل تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یہ تبدیلی معاشرتی، سیاسی بھی ہے اور معاشی بھی اور یہ تبدیلی فکری اور نظری بھی ہے۔ اور یہ تبدیلیاں مکمل سماجی انقلاب کا حصہ ہیں۔

## نتیجہ

اس تجزیہ سے اندازہ ہوا ہوگا کہ مسلمانوں میں سائنس کے زوال کا اہم ترین سبب بلند قدروں کی تخلیق اور اُن کی تفہیم میں زوال تھا۔

آپ ذرا غور فرمائیں کہ جس معاشرہ میں قرآن کے جملوں اور مظاہرِ فطرت کے لیے ایک ہی لفظ یعنی آیت استعمال کیا گیا ہو۔ جہاں افراد کی صحت اور غذا کی ضروریات کو پورا کرنا ایسا ہی فریضہ ہو جیسا کہ نمازِ جنازہ کی ادائیگی۔ ایسے معاشرہ میں علم وفن اور سائنس کا ترقی نہ پانا تعجب انگیز ہے۔

لیکن values ایک فرد ایک معاشرہ اور ایک system یعنی سیاسی ڈھانچہ میں محفوظ رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک عنصر بھی اگر متاثر ہوگا تو اقدار باقی نہ رہ پائیں گی۔ آج سیاسی نظام بہت وسیع الاطراف اثرات رکھتا ہے، لیکن اگر corruption کو ختم کیا جا سکے تو پھر ایسا ماحول پیدا ہوسکتا ہے کہ مسلمان آگے بڑھ کر ایک بار پھر سائنسی روایت کو زندہ کر سکتے ہیں اور اس طریق سے پوری انسانی سوسائٹی کے لیے ایک تخلیقی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

خواتین وحضرات!

سائنس کی ضرورت قوت اور عزت دونوں کے لیے ہے اور ہر قوم اور جماعت کو اس کی ضرورت ہے، اس کی ترقی کے لیے کچھ کام تو حکومت کے سیاسی سطح پر کرنے کے ہیں اور کچھ communities کو اپنی سطح پر کرنے ہیں۔ ہمارے ملک میں سائنس کی ترقی کے لیے جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ اس سے زیادہ کیا جا سکتا ہے۔ Basic Science کی ترقی کے لیے بعض اہم اداروں کے قیام کا سلسلہ خوش آئند ہے لیکن یونیورسٹیوں کے نظام اور تخلیقی صلاحیتوں (Creative Potential) کی آبیاری کے لیے ابھی کچھ کیا نہیں گیا اور یونیورسٹیاں رو بہ زوال ہیں۔ اس سلسلہ میں چند مشورے پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ ملک کے ماہرین تعلیم اور مفکرین سائنس سے گذارش ہے۔ ہماری ۷۰ فیصد آبادی

آج بھی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ اس آبادی کے بچے اور نوجوان دیہاتوں میں رہ کر nature سے ہمہ وقت negotiate کرتے اور اس سے متاثر ہوتے رہتے ہیں اور یہ دوسروں کی بہ نسبت غلامانہ ذہنیت کے کم شکار ہیں۔

سائنس جو nature سے interaction کے نتیجہ میں پیدا ہوتی اور پھلتی پھولتی ہے۔ دیہات کا نوجوان ذہن اس میدان میں کام کرنے کی صلاحیتوں اور Situation سے خاصا بہرہ مند واقع ہوا ہے۔ آزادی کے بعد آج تک ہم نے اس اہم dimension پر خاطر خواہ کام نہیں کیا۔ ہماری تمام تر توجہ اس سائنس پر رہی ہے جو مغرب سے آئی ہوئی ٹیکنالوجی سے نکلتی اور مغرب کے معیاری Journals میں چھپ سکتی ہے۔ اس سے الگ ہو کر سوچنے کی بھی ضرورت ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ دیہات میں رہنے والے بچوں اور نوجوانوں کے لیے ایک علیحدہ تعلیمی نظام اور مخصوص تعلیم گاہیں قائم کی جائیں تا کہ nature کے ساتھ براہِ راست interact ہونے کی جو سہولت ان کو دستیاب ہے، سائنس کے ارتقاء میں اس کا فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ ہمارے خیال میں اس قسم کے اقدامات کیے بغیر ہم مغرب سے آگے تو کیا اس کے برابر بھی نہ پہنچ سکیں گے۔

۲۔ دوسری بات اس ملک کے سیاستدانوں سے متعلق ہے۔ اس ملک کی ترقی کا مستقبل یہاں کی آبادی کے ہر طبقہ کی ترقی پر منحصر ہے۔ بعض طبقوں کو غیر ترقی یافتہ چھوڑ دینے سے نہ تو ملک مضبوط ہو سکتا ہے اور نہ ترقی کی دوڑ میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ کچھ ارب پتی اور بعض بڑے سائنس داں یقیناً پیدا ہوتے رہیں گے لیکن ساتھ ہی ساتھ کسان خودکشی بھی کرتے رہیں گے۔ ملک کا Scientific Base کبھی بھی مضبوط نہیں ہو پائے گا۔ ملک کو عالمی طاقت بننے کے لیے ضروری ہے کہ یہاں کا ہر فرد اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرے۔ Opportunities ہر فرد کو حاصل ہوں۔ محض چند طبقوں تک یہ مراعات محدود نہ رہیں اسی ماحول میں سائنس کا ارتقاء ممکن

ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ سچر کمیٹی کے طرز پر ایک کمیٹی حکومت بنائے اور یونیورسٹیوں کی کارکردگی کی ایک جائزہ رپورٹ پیش کرے۔

۳۔ اب چند باتیں مسلمانوں سے۔ اس ملک میں مسلمانوں کے تقریباً ایک لاکھ سے اوپر مدارس قائم ہیں جہاں کا تعلیمی نظام اخلاقی بنیادوں پر قائم ہے۔ یہ مدارس اپنے ماضی اور اپنی جڑوں کے اعتبار سے وہی ہیں جہاں سے ماضی میں الہیثم، البیرونی، ابنِ سینا، ابنِ رشد، ابنِ خلدون، ابن شاطر اور طوسیٰ جیسے عظیم مفکرین نکلے تھے۔ آج بھی یہ مدارس وہ رول ادا کر سکتے ہیں بشرطیکہ یہاں وہی فضاء دوبارہ پیدا ہو سکے جو ماضی کے مدارس میں تھی۔ ہمارے مدارس موجودہ educational structure میں irrelevent ہو گئے ہیں۔ ہمیں اوّلاً تعلیمی نظام کو اس طرح استوار کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ معاشرہ کی ضرورت پورا کرنے لگیں اور دوسرے یہ کہ اسلام کا جو تخلیقی کردار (creative role) ماضی میں رہا ہے وہ دوبارہ زندہ ہو سکے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ مدارس کے نظام میں بنیادی تبدیلیاں لائے بغیر بھی کسی حد تک ہوسکتا ہے۔ اس طرح ہم اپنے ملک کو اخلاقی قدروں پر قائم ایک متبادل نظامِ تعلیم کا ایک بیش قیمت تحفہ دے سکتے ہیں جو یقیناً آج ہمارے ملک کی ضرورت ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ رول ادا کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے۔

## قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں

آخری بات میں مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس ملک کے چپہ چپہ پر آپ کی اقبال مندی کے نشانات موجود ہیں۔ اس کی زمین اور اس کے باسیوں پر ہماری ذمہ داری ختم نہیں ہوگئیں۔ اس کی ترقی ہماری ترقی ہے اس کی عزت سے ہماری عزت ہے۔ لیکن اس وقت ترقی کے جس model پر ہمارے یہاں کام ہو رہا ہے، وہ ایک Socal Divide پر ختم ہوگا اور اس کے نتیجہ میں Social unrest لازمی ہے۔ مستقبل کے اس خطرہ سے ملک کو بچانے کے لیے مسلمانوں کو سوچنا چاہئے۔ ان کے پاس تین ایسے ہتھیار موجود ہیں جنہیں بروئے کار لا

کر وہ ملک کی خدمت کر سکتے ہیں۔قرآن کریم، زکوٰۃ اور اوقاف۔قرآن کے ذریعہ اندھی تقلید (blind following) ختم کی جا سکتی ہے جو معاشرتی ارتقاء کے لیے از حد ضروری ہے۔ زکوٰۃ معاشی ناہمواری (economic imbalance) ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ لیکن آج اس کا یہ رول باقی نہیں ہے اور اوقاف ایک ایسے ادارہ کا حصہ ہیں جو ماضی میں ہماری علمی، فنی، صحت وغیرہ وغیرہ ضروریات کو پورا کرنے میں اہم رول ادا کرتے رہے ہیں۔سچر کمیٹی کے مطابق ہمارے ملک میں آج مسلمانوں کے اوقاف کی قیمت ۱۲ کھرب روپیہ (1200 billion) ہے۔اگر اس کا صحیح استعمال ہو سکے تو ہر سال اس سے کم از کم ایک کھرب بیس ارب روپیہ آ سکتا ہے۔آج پھر ان اداروں کو revitalize کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ میدان جہاں حکومت، سیاسی اور مالی بدعنوانیوں کی بنا پر خاطر خواہ توجہ دینے سے قاصر ہے۔ وہاں NGOs اور Trust قائم کر کے مسلمان اپنی زکوٰۃ اور اوقاف کا بہتر استعمال کر سکتے ہیں اور ملک کو اس خطرہ سے بچا سکتے ہیں۔جس کی طرف مَیں نے ابھی اشارہ کیا ہے۔مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر شہر میں ایسی NGO قائم کریں جو مسلمانوں اور دوسرے طبقوں میں سائنس اور معاشرتی ارتقاء کے لیے کام کرتی ہوں۔

## حوالہ جات:


[۱] ''اُردو میں سائنسی وتکنیکی ادب''، ڈاکٹر محمد شکیل خان۔

[۲] Islam and Science: Beyond the Troubled Relationship, by Ziauddin Sardar (JIS Vol. 22, No. 1 & 2, 2006)

[۳] غزالی کی ''میزان العمل''، جس کا تذکرہ C.A. Qadri نے Philosophy of Science in the Islamic World میں کیا ہے۔

[۴] اس کتاب کا اُردو ترجمہ سینٹر آف اسٹڈیز آن سائنس، علی گڑھ نے ''عہدِ اسلامی میں ٹیکنالوجی'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

[۵] Revenge of Athena by Ziauddin Sardar